جگرؔ مرادآبادی کی شاعری: رومانیت اور روحانیت

ڈاکٹر رشید احمد*

Abstract:

This article tries to deconstruct a popular view point about jigar Murad Abadi. Jiggar is widely considered a poet who wrote about love affairs. Either it was his own experience constructed in the most popular genre of Urdu poetry "Ghazal" or some sort of collective experience of the people of sub-continent. But the article dismantles this popular notion. The article reveals that it was mystic experience that Jigar composed in the persona of love

خاتم المتغزلین جگرؔ مرادآبادی کا اصل نام علی سکندرؔ ہے۔ وطن مرادآباد، ہندوستان۔ ۱۸۹۰ء میں آپ پیدا ہوئے۔ والد ماجد کا نام نظرؔ علی، آپ بھی بڑے پائے کے صاحبِ دیوان شاعر تھے، لکھنو کے مشہور شاعر خواجہ وزیرؔ علی لکھنوی سے انہیں شرفِ تلمذ حاصل تھا۔ جگرؔ کے مورثِ اعلیٰ مولوی محمد سمیعؔ بادشاہ شاہجہان کے استاد تھے۔ غرض عرصے سے اس خاندان میں علم وادب کا چرچا رہا، چنانچہ جگرؔ کو اپنی آبائی ترکہ ہی میں شاعری ملی۔ جگرؔ کی ابتدائی تعلیم و تربیت معمولی ہے، نویں جماعت تک۔ زبان عربی سے بھی ناواقف۔ البتہ فارسی یوسف زلیخا اور سکندر نامہ تک پڑھی، انگریزی کچھ کچھ۔ آپ طبعاً ہنس مکھ اور ملنسار واقع ہوتے تھے۔ مزاج میں شگفتگی اور رنگینی بہت زیادہ تھی۔ البتہ آپ صورت کے حسین نہ تھے، لیکن سیرت کے لحاظ حسین لاریب تھے۔ (۱)

جگرؔ مرادآباد نے ۱۳/ ۱۴ سال کی عمر ہی سے شعر کہنے لگے۔ شروع میں اپنے والد سے اصلاح لیتے رہے۔ ان کے بعد داغؔ دہلوی سے بھی اصلاح لی، بعد ازاں امیر اللہ تسلیمؔ کو بھی کئی غزلیں دکھلائیں۔ لیکن ان کا سب سے زیادہ شفیق استاد اصغرؔ گنڈوی ہیں۔ جگرؔ کے آخری دور کے کلام میں جو رنگ تصوف نمایاں ہے وہ انہی استاد حضرتِ اصغرؔ (۲) اور ان کے پیر و مرشد حضرت مولانا قاضی سید عبدالغنی منگلوریؒ (۳) اور پھر حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا فیضِ صحبت ہے۔ (۳) جگرؔ اپنے دورِ اول کی شاعری کے بارے میں کہتے ہیں ''میری شاعری 'غزل' ہی تک محدود ہے اور چونکہ حسن و عشق میں میری زندگی ہے، اس لئے بعض مستثنیات کو چھوڑ کبھی دوسرے میدان میں

---

* شعبہ اُردو، ڈھاکہ یونیورسٹی، بنگلہ دیش

قدم رکھنے کی جرأت نہیں کر سکا۔'' آگے وہ اور کہتے ہیں ''مجھے اپنے شعروادب پر سب سے زیادہ فخر یہ ہے کہ میری زندگی اور میری شاعری میں بالکل مطابقت ہے تضاد نہیں۔ نقالی اور استادانہ مشاقی میرے لئے ننگ رہی ہے اور انشاءاللہ ہمیشہ ننگ سمجھتا رہوں گا''۔(۵) چنانچہ جگرؔ عنفوان شباب میں ایک مدت تک حسن مجازی کی تلاش میں مختلف مقامات کی سیر کرتے رہے اور اسی سیر وسیاحت کے سلسلے میں انہیں آگرہ میں پانچ برس مقیم رہنا ہوا۔ وہیں وہ وحیدن نامی ایک خاتون سے معاشقانہ جذبات کے ساتھ ایک مدت اسیر رہے اور پھر نامہ و پیام کے بعد اس خاتون سے رشتۂ زوجیت میں منسلک ہو گئے۔ لیکن وحیدن کی موت نے جلد ہی فراق کا ڈنکا بجا دیا۔ یہی جگرؔ کی پہلی شادی تھی۔ پھر جگرؔ کی دوسری شادی اپنے استاد اصغرؔ گنڈوی کی وساطت سے نسیم نامی خاتون سے ہوئی اور یہ نسیم اصغرؔ گنڈوی کی بیوی کی چھوٹی بہن تھیں۔ لیکن جگرؔ کی لاپروائیوں، بے احتیاطیوں اور ازحد بادہ نوشی کی لت نے نسیم کو بھی ان سے علیحدہ ہونے پر مجبور کر دیا۔ جس کا حضرت جگرؔ کو زندگی بھر صدمہ و قلق رہا۔ پھر ظلم بالائے ظلم یہ ہوا کہ حضرت اصغرؔ گنڈوی نے اپنی بیوی کے انتقال کے بعد نسیم سے عقد کر لیا۔ البتہ نسیم کی یہ شادی مبارک نہ ہوئی اور چند دن کے بعد حضرت اصغرؔ گنڈوی کا وصال ہو گیا۔ اسی صدمے کی وجہ سے نسیم زیارتِ بیت اللہ شریف کو چلی گئی۔ جسے جگرؔ نے اپنے اشعار میں یوں بیان کیا ہے:

تم مجھ سے چھوٹ کر رہے سب کی نگاہ میں	میں تم سے چھوٹ کر کسی قابل نہیں رہا
اِدھر اک مردِ مومن بندہ بت ہوتا جاتا ہے	اُدھر اک کافرہ اللہ والی ہوتی جاتی ہے
یوں زندگی گزار رہا ہوں ترے بغیر	جیسے کوئی گناہ کئے جا رہا ہوں میں (۶)

غرض اگر چہ جگرؔ کی اپنی بادہ نوشی اور بے احتیاطی کی وجہ سے دونوں میاں بیوی میں فراق ہو گیا تھا۔ لیکن جگرؔ پھر بھی نسیم کے خواہاں تھے۔ ''وہ آتش عشق کیا جو سرد ہو جائے''۔ بالآخر نسیم کے حج سے واپسی کے بعد جگرؔ کے اپنے دوست واحباب کی کوششوں سے انکی دیرینہ آرزو پوری ہوئی۔ نسیم پھر جگرؔ کے حلقۂ زوجیت میں داخل ہوئیں۔ لیکن اس وقت دونوں میاں بیوی جوانی کی منزلوں سے کافی آگے نکل چکے تھے۔ البتہ یہ بھی تو سچ ہے کہ ''مذہب عشق عمر کی حدود اور قیود سے کہیں بالاتر ہوتا ہے''۔ بہرحال اسی نکاحِ مرۂ ثانیہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جگرؔ نے اپنی مشہور غزل مسمیٰ بہ ''تجدید ملاقات'' لکھی تھی، جس کا مطلع ہے "مدت میں وہ پھر تازہ ملاقات کا عالم"۔(۷)

چنانچہ حیاتِ جگرؔ کی یہی وہ جہت ہے یعنی معشوقہ بیوی وحیدن کی موت اور پھر دوسری بیوی نسیم سے علیحدگی، جس نے ان کے کلام کے اندر ایسی رومانیت پیدا کر دی اور ان کی شاعری کو ایسی جاوداں تابنا کی اور جلا بخشی۔ یوں تو جگرؔ طبعاً حسن وعشق کے شاعر ہی واقع ہوئے تھے۔ لیکن ان کی اپنی ازدواجی زندگی کے واقعات اور حوادثات نے انہیں ازحد رومانی بنا دیا تھا۔ وہ ہرجائی تھے، وہ اپنی ہی بیو کے ساتھ عشق وعاشقی کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ انکی رومانیت میں طہارت واشگاف ہے، انکی شاعری عریانیت اور بے حیائی کی باتوں سے یکسر پاک ہے۔

ع بہت باہوش رہتا ہے مرا دیوانہ پن ساقی (۸)

وہ محبوب کی موجودگی میں نہیں بلکہ محبوب سے دوری پر غزل خواں ہوتے ہیں۔ کیونکہ محبوب کی موجودگی در اصل وصال کی محرک ہوتی ہے اور دوری محبت کی، چناچہ جگر محبت کے شاعر ہیں۔ وہ مہجوری و دوری از محبوب کی عظمت کے قائل ہیں۔ وہ کم سواد شاعروں جیسے ہر قیمت پر وصل کے خریدار نہیں ہیں۔ وہ متاع و قیمت کے نازک رشتہ کو خوب اچھی طرح سمجھتے ہیں اور اسے نباہ نے کی کوشش بھی کرتے ہیں، ان کی عشق و محبت میں خواہ مخواہ کی فدائیت اور فلندگی نہیں ہے وہ کہتے ہیں:

ے یادِ ظالم کو تم اپنی روک لو ۔۔۔ لوٹے لیتی ہے مری تنہائیاں
ے سنانے چلے تھے انہیں حالِ دل ۔۔۔ نظر ملتے ہی، رنگ فق ہو گیا
ے شکوہ تو ایک چھیڑ ہے لیکن حقیقتاً ۔۔۔ تراستم بھی تری عنایت سے کم نہیں
ے مجھ کو توشکوہ ہے اپنی آنکھوں سے ۔۔۔ تم نہ آئے تو نیند کیوں نہ آئی
ے ایک دل ہے اور طوفان حوادث اے جگر ۔۔۔ ایک شیشہ ہے کہ ہر پتھر سے ٹکراتا ہوں میں
ے کانٹوں کا بھی حق ہے کچھ آخر ۔۔۔ کون چھڑائے اپنا دامن (۹)
ے آج کیا بات ہے کہ پھولوں کا ۔۔۔ رنگ تیری ہنسی سے ملتا ہے
ے دل گلستاں تھا، تو ہر شئی سے ٹپکتی تھی بہار ۔۔۔ یہ بیاباں جب ہوا عالم بیاباں ہو گیا (۱۰)

جگر کی بے داغ رومانیت کو اجاگر کرتے ہوئے آلِ احمد سرور لکھتے ہیں:

> ''جگر ایک رومانی شاعر ہیں۔ رومان کسی نہ کسی حقیقت کو ہی خوابوں میں پیش کرتا ہے۔ جگر کے یہاں بھی خواب اور حقیقت کی دھوپ چھاؤں نظر آتی ہے۔ جگر نے ساری عمر حسن اور عشق کے نغمے گائے ہیں۔ حسن و عشق کا تصور ان کے باوجود اپنی لطافت، اپنے دھندلکے، اپنے جلووں اور اس کے پردوں کے ایک زندہ اور ایک حقیقی تصور ہے۔ ان کا عشق رومانی ہے...... انکے یہاں حسن ایک ماورائی پر چھائیں نہیں، ایک زندہ اور تابندہ حقیقت ہے...... صوفی حسن کے ایک مجرد تصور سے عشق کرتا ہے، اسے ساری کائنات میں ایک ہی حسن کے مظاہر نظر آتے ہیں، جگر بھی اس تصور سے کھیلتے ہیں۔ مگر انکے یہاں حسن کے عارضی اور مجازی پہلو اتنے نمایاں ہیں کہ یہ روشن پرچھائیں ایک مجسم شعلہ بن جاتی ہے...... جگر نے حقیقت کو رومان بنا لیا...... انہوں نے زندگی اور حسن کو جیسا پایا ہے بے نقاب کیا ہے...... جگر کی عشقیہ شاعری میں گہرائی اور حقیقت نظر آتی ہے۔ اس کی وجہ سے ان کی رومانیت وقیع ہوگئی ہے اور ان کا ادبی مرتبہ مستحکم''۔ (۱۱)

ے محبت ازل سے مقدّر پڑی تھی ۔۔۔ یہ اُفتادِ غم ناگہانی نہیں ہے (۱۲)

کلامِ جگر میں روحانیت کا پرچھاواں تقریباً شروع ہی سے موجود تھا۔ جیسا کہ اوپر مذکور ہو چکا ہے کہ جگر کی

عشقیہ شاعری میں گہرائی اور حقیقت نظر آتی ہے۔ یعنی ان کی رومانیت میں روحانیت کا ایک پرتو شروع ہی سے موجود ہے۔ انکے مجاز میں حقیقت کا عکس ابتدائے شاعری ہی سے دکھائی دے رہا تھا۔ جیسے وہ کہتے ہیں:

ـ نمودِ صبح کاذب ہی دلیلِ صبحِ صادق ہے   اُفق سے زندگی کی دیکھ وہ اُبھری کرن ساقی (۱۳)

بقول عرش ملسیانیؔ ''جگرؔ ابھی تک اصل جگرؔ تھے۔ شاہد و شعر و شراب کے رسیا جگرؔ، ان پر کوئی فسق و فجور کا الزام بھی لگادے تو بھی ان کی رِندی ہزار ایمانوں پر بھاری تھی، اس لئے کہ ان میں ریا کا شائبہ نہیں تھا۔ ان کی شاعری میں جذبۂ صادق، اعتراف گنہہ، تیقنِ عشق، احترامِ محبوب اور والہانہ پن......زور پر تھا''۔(۱۴) چنانچہ جگرؔ ان خوش نصیب شعراء میں سے تھے جو مست و سرشار رہنے کے باوجود خاصان خدا کے حلقہ میں نیک نام رہے۔ وہ کبھی بھی نشہ کی ترنگ میں آکر دین سے بغاوت اور بزرگانِ دین کے ساتھ گستاخانہ حرکات کا مرتکب نہیں ہوئے۔ وہ گناہ کو گناہ سمجھتے رہے۔ کسی گناہ کو حق بجانب ثابت کرنے اور دوسروں کو اپنے رنگ میں رنگنے کی کبھی ادنیٰ کوشش تک بھی نہیں کی۔ جگرؔ کی بادہ مستی کے دور میں بھی ان کے کلام میں سلوک و معرفت کی باتیں پائی جاتی تھیں اور اکثر شعر کہتے کہتے ان کا رخ مجاز سے حقیقت کی طرف پھر جاتا تھا۔ اس کی وجہ جیسا کہ اوپر گذر چکی کہ ان کے استاد حضرتِ اصغر گونڈویؔ کی (جو بہت بڑے شاعر تھے اور شاعر سے کہیں زیادہ عارف باللہ تھے،) معیت و رفاقت کے پرتو نے جگرؔ کے اندر اس انقلابِ روحانیّت کا آغاز کیا تھا، جیسے وہ خود فرماتے ہیں:

ـ یوں تو ہونے کو جگرؔ اور ہیں اہلِ کمال   خاص ہے حضرت اصغرؔ سے ارادت مجھ کو

ـ میں سن کے حضرتِ اصغرؔ کے اے جگرؔ! اشعار   وہ مست ہوں کہ، کوئی پی کے بادہ خوار نہ ہو

ـ حریمِ حسنِ معنیٰ ہے جگرؔ ! کاشانۂ اصغرؔ   جو بیٹھو، باادب ہوکر، تو اٹھو، باخبر ہوکر (۱۵)

اور جس پرورشِ روحانی کی تکمیل حضرتِ اصغرؔ کے وصال کے بعد حضرت قاضی سید عبدالغنی شاہ منگلوری سہارنپوریؒ (۱۶) اور حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے فیضِ صحبت و نظر سے ہوئی۔ چناچہ ان حضرات ہی کی صحبت کی برکت سے انہوں نے توبۂ نصوح کی، بادہ نوشی یکسر ترک کردی، سنتی وضع قطع کو اپنایا اور حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے، رومانیت کو چھوڑا، روحانیت کو بھیایا۔ جیسے وہ کہتے ہیں:

ـ تو ہے خودی ناشناس، تجھ کو خدا سے غرض   دیکھ تو، لیکر ذرا آئینۂ مہر و ماہ

ـ جانبِ ملکِ حبیب پھر ہوں میں یوں گامزن   صبحِ ازل در نفس شامِ ابد در نگاہ (۱۷)

حیاتِ جگرؔ کی اس تبدیلی کی تفصیل یہاں ضروری ہے۔ چنانچہ جگرؔ کے واقعۂ توبہ کو بیان کرتے ہوئے عارف باللہ شاہ حکیم اخترؔ صاحبؒ رقمطراز ہیں:

> ''آہ۔ جب اللہ تعالیٰ ہدایت کا دروازہ کھولتا ہے تو جگرؔ جیسا شرابی توبہ کرتا ہے......اتنا پیتا تھا یہ شخص کہ دو آدمی اٹھا کر اس کو مشاعرہ میں لے جاتے تھے۔ مگر ظالم کی آواز ایسی غضب کی تھی کہ مشاعرہ ہاتھ میں لے لیتا تھا۔ جیسے وہ خود کہتے ہیں:

؎ سب کو مارا جگر کے شعروں نے — اور جگر کو شراب نے مارا

؎ کیا جگر سے آپ بھی واقف نہیں — ایک ہی تو رندِ مے آشام ہے (۱۸)

لیکن جب ہدایت کا وقت آیا تو دل میں اختلاج شروع ہوا، گھبراہٹ شروع ہوئی کہ اللہ کو کیا منہ دکھاؤں گا۔ جب ہدایت کا وقت آیا تو دل کو پتہ چل گیا کہ کوئی ہمیں یاد کر رہا ہے۔

؎ محبت دونوں عالم میں یہی جا کر پکار آئی — جسے خود یار نے چاہا اس کو یاد یار آئی

؎ اللہ اگر توفیق نہ دے انسان کے بس کا کام نہیں — فیضانِ محبت عام سہی عرفانِ محبت عام نہیں

یہ تو نے کہا کیا اے ناداں، فیاضیٔ قدرت عام نہیں — تو فکر و نظر پیدا کر، کیا چیز ہے جو انعام نہیں (۱۹)

بہر حال جگر صاحب کو اللہ نے جذب فرمایا تو اس کے آثار ظاہر ہونے لگے۔

؎ سن لے اے دوست جب ایام بھلے آتے ہیں — گھات ملنے کی وہ خود آپ ہی بتلاتے ہیں

غرض اب جگر صاحب کی ہدایت کا آغاز ہو رہا ہے، نقطۂ آغاز ہدایت اس شعر سے ہوا:

؎ اب ہے روز حساب کا دھڑ کا — پینے کو تو بے حساب پی لی (۲۰)

یعنی اب دل دھڑک رہا ہے کہ قیامت کے دن اللہ کے پاس کیا جواب دونگا جب وہ پوچھیگا کہ ظالم میں نے شراب کو حرام کیا تھا اور تو اس قدر پیتا تھا۔ تجھے شرم بھی نہ آتی کہ مجھے قیامت کے دن پیش ہونا ہے۔ پس فوراً اپنے دوست ڈی سی خواجہ عزیز الحسن مجذوب سے مشورہ لیا اور پوچھا کہ خواجہ صاحب آپ کیسے اللہ والے ہو گئے؟ کس کی صحبت نے آپ کو متبع سنت بنا دیا؟ آپ ڈپٹی کلکٹر ہیں۔ ڈپٹی کلکٹر اور گول ٹوپی اور لمبا کرتا اور عربی پاجامہ اور ہاتھوں میں تسبیح، میں نے تو کہیں ایسے ڈپٹی کلکٹر نہیں دیکھا۔ یہ آپ کی ٹرکس نے نکالی اے مسٹر؟ فرمایا کہ تھانہ بھون میں حکیم الامت نے یہ ٹر نکال دی.........تو کہا کہ کیا مجھ جیسا شرابی بھی تھانہ بھون میں جا سکتا ہے؟ مگر شرط یہ ہے کہ میں تو وہاں بھی پیوں گا کیوں کہ اس کے بغیر میرا گذارہ نہیں۔ خواجہ صاحب تھانہ بھون پہنچے اور کہا کہ جگر صاحب اپنی اصلاح کے لئے آنا چاہتے ہیں لیکن کہتے ہیں کہ خانقاہ میں بغیر پئے نہیں رہ سکتا۔ حضرت ہنسے اور فرمایا کہ جگر صاحب کو میرا اسلام پہنچانا اور یہ کہنا کہ اشرف علی ان کو اپنے مکان میں ٹھرائے گا۔ خانقاہ تو ایک قومی ادارہ ہے۔ اس میں تو ہم اجازت دینے سے مجبور ہیں، لیکن ان کو میں اپنا مہمان بناؤں گا۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مکان میں جب کافر کو مہمان بناتے تھے تو اشرف علی ایک گنہگار مسلمان کو کیوں مہمان نہ بنائے گا جو اپنے علاج اور اصلاح کے لئے آ رہا ہے۔ جگر صاحب نے جب یہ سنا تو رونے لگے اور کہا کہ آہ ہم تو سمجھتے تھے کہ اللہ والے گنہگاروں سے نفرت کرتے ہونگے لیکن آج پتا چلا کہ انکا قلب کتنا وسیع ہوتا ہے۔ بس تھانہ بھون پہنچ گئے، جیسے وہ کہتے ہیں:

؎ یوسفِ گم گشتہ ام در مصرِ عشق — باز سوئے پیرِ کنعاں میروم (۲۱)

وہاں پہنچ کر عرض کیا کہ حضرت اپنے ہاتھ پر توبہ کرا دیجئے اور چار باتوں کے لئے دعا کر دیجئے۔ سب سے

پہلے توبہ کہ شراب چھوڑ دوں، پرانی عادت ہے۔

ع چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی

اور دوسری درخواستِ دعا یہ کی کہ مجھ کو حج نصیب ہو جائے۔ تیسری درخواست یہ کہ میں ڈاڑھی رکھ لوں اور چوتھی درخواست کی کہ میرا خاتمہ ایمان پر ہو، حضرت نے دعا فرمائی۔ پھر جگر صاحب تھانہ بھون سے واپس آئے تو شراب چھوڑ دی، توبہ کر لی۔ شراب چھوڑ دینے کے بعد بیمار ہو گئے۔ قومی امانت تھے، زبردست شاعر تھے۔ ڈاکٹروں کے بورڈ نے معاینہ کیا اور کہا کہ جگر صاحب! آپ کی موت سے ہم لوگ بے کیف ہو جائیں گے، آپ قوم کی امانت ہیں لہٰذا تھوڑی سی لے لیا کیجیے تا کہ آپ زندہ تو رہیں۔ جگر صاحب نے کہا کہ اگر میں تھوڑی تھوڑی پیتا رہوں گا تو کب تک جیتا رہوں گا؟ ڈاکٹروں نے کہا کہ پانچ دس سال اور چل جائیں گے۔ فرمایا کہ دس سال بعد اگر میں شراب پیتے ہوئے اس گناہِ کبیرہ کی حالت میں مروں گا تو اللہ کے غضب اور قہر کی سائے میں مروں گا اور اگر ابھی مرتا ہوں جیسا کہ آپ لوگ مجھے ڈرا رہے ہیں کہ نہ پینے سے تم مر جاؤ گے تو میں اس موت کو پیار کرتا ہوں ...... لہٰذا جگر صاحب نے پھر شراب نہیں پی اور بالکل اچھے ہو گئے ...... اور جب حج کو جانے لگے تو داڑھی بھی پوری ایک مشت رکھ لی''۔ (۲۲)

ے جو نظر کردۂ صاحبِ نظراں ہوتا ہے اُسی دیوانے کے قدموں پہ جہاں ہوتا ہے

ے ہجوم تجلّی سے معمور ہوکر نظر رہ گئی شعلۂ طور ہوکر (۲۳)

جگر اب ماڈی میخانوں کے بجائے روحانی میکدوں کی سیر کرتے ہیں اور کہتے ہیں:

ے عجیب چیز ہے میخانۂ تصور بھی یہاں سے ہوش میں پہنچے، وہاں سے چور آئے

ے مجاز ہو کہ حقیقت، یہاں تو حال یہ ہے ترے حضور اٹھے، ترے حضور آئے

ے دیا ہے عشق نے وہ مرتبہ بحمداللہ کہ آنکھ تک نہ اٹھاؤں اگرچہ وہ آئے (۲۴)

اب وہ اپنی غیر قابلیت اور اپنے گناہوں کا مقرّ و معترف بھی ہیں اور اپنے ربِّ کریم سے امیدوار عفو و درگذر بھی ہیں۔ جیسے کہتے ہیں:

ے یہ کیا کم ہے کہ تیرا بندہ ہے جگر اس کا کیا غم کہ تیرے قابل نہ رہا (۲۵)

جگر صاحب نے اب اپنی شاعری میں بھی اصلاح کی۔ جیسا کہ شعلۂ طور (دوراول تا دور چہارم) کا ناشر محمد طفیل ''حرفِ ناشر'' میں لکھتے ہیں کہ ''جگر صاحب نے مجھے بتایا کہ انہوں نے اس مجموعۂ ثانی کی نظر ثانی پر قریباً دو برس صرف کئے ہیں۔ یہ بات تو صرف جگر صاحب ہی بتا سکتے تھے کہ انہوں نے کس کس زاویۂ نظر سے اس میں کانٹ چھانٹ اور اضافہ کیا ہے۔ لیکن جو کچھ میرے مشاہدہ میں آیا وہ یہ ہے:

۱۲۱۴ اشعار حذف کر دیئے گئے

۱۱۴۳ اشعار میں دلآویز ترامیم کی گئیں

۱۷ نئے اشعار ایجاد کئے گئے

کئی ایک کتابت کی اغلاط درست کر دی گئیں"، (۲۶)

ڈاکٹر وفا راشدی جگر کی فکر و نظر اور زندگی کی اس تبدیلی کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"۱۹۴۱ء کے جگر میں اور ۱۹۵۷ء کے جگر میں عظیم انقلاب رونما ہو چکا تھا۔ ان کی شخصیت پہلے سے زیادہ محبوب، دلآویز و مسحور کن تھی۔ ان کی غزل پہلے سے زیادہ نکھر گئی تھی"۔ (۲۷)

ذیل میں جذبۂ روحانیت سے لبریز اور رومانیت یعنی عشقِ لیلیٰ کے بجائے عشقِ مولیٰ سے سرشار جگر مرادآبادی کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

؎ اک نظر ان کی سمت دیکھ تو لو　　کیسی دنیا تباہ ہوتی ہے
دردِ بے وجہ کو نہ چھیڑ جگر　　یہ خوشی گاہ گاہ ہوتی ہے

؎ خدا وہ دردِ محبت ہر ایک کو بخشے　　کہ جس میں روح کی تسکین پائی جاتی ہے

؎ دل کو سکون، روح کو آرام آ گیا　　موت آ گئی کہ دوست کا پیغام آ گیا

؎ تو محبت کو لازوال بنا　　زندگی کو اگر نہیں ہے ثبات

؎ دل تک خیالِ غیر بھی لانا روا نہیں　　مخصوص ہے یہ جام لبِ یار کیلئے
آسان نہیں، معاملۂ جلوہ و نظر　　چشمِ کلیم چاہئے دیدار کیلئے (۲۸)

خدا تعالیٰ کی ہستی برحق ہے اور ہر ایک کو، خواہ کوئی منکرِ خدا ہی کیوں نہ ہو، ان کے سامنے جانا ہے، اسی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں:

؎ زباں سے کوئی کچھ کہہ لے برائے دوست　　سرِ تسلیم کس کا خم نہیں ہے

؎ مجازی سے جگر کہہ دو! ارے او عقل کے دشمن　　مقر ہو یا کوئی منکر، خدا یوں بھی ہے اور یوں بھی ہے (۲۹)

لیکن نوعِ انسانی کی عام حالت یہ ہے کہ غفلت و بے خبری میں وہ اپنی زندگی گذار دیتا ہے، وہ اپنے دوست و دشمن کو نہیں پہچانتا، اپنے نفع و نقصان کو نہیں جانتا، اپنی حساب و کتاب بے خبر، اپنے محسنِ اعظمؐ سے بے وفا، اپنے خالق کا نافرمان، اور اپنے ظاہری دشمن شیطانِ لعین کا فرمانبردار، اور اپنا سب سے بڑا دشمن نفس امّارہ کا متبع۔ چنانچہ نوعِ انسانی کے یہ دونوں دشمن انسان کو اس حقیقت سے بالکل بیخبر بنا دیتے ہیں۔ نتیجتاً انسان دنیا کی فانی زندگی میں بالکل مصروف ہو جاتا ہے، وہ اشیاء کے نکات تو پوچھتا ہے لیکن اپنی حقیقت سے بے خبر رہجاتا ہے، یاد دلانیکے باوجود وہ اپنی پائدار زندگی یعنی آخرت کے متعلق غافل ہی رہجاتا ہے، اور پھر بلاعمل راہی آخرت ہو کر جہنّم کا مستحق بنتا ہے اور انسان کا ازلی دشمن شیطانِ رجیم سے بڑھکر وہ خود اپنا سب سے بڑا دشمن ثابت ہوتا ہے، کیونکہ شیطان کبھی بزورِ بازو انسان کو گمراہ نہیں کرتا، حالانکہ انسان خود اپنے ہاتھ کی کمائی کی وجہ سے گمراہ ہوتا ہے اور مستحقِ سزا بنتا ہے، اسی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے جگر فرماتے ہیں:

ــــ غضب ہے قہر ہے انسان کی یہ بوالعجبی　　خود اپنا دوست بہت کم، زیادہ تر دشمن
ــــ ہستی کے نکات پوچھتا ہے　　غافل تجھے اپنی بھی خبر ہے **(۳۰)**

اب وہ صرف اور صرف خدائے وحدہ کا ہوکر رہ گئے، سوا اللہ وہ کسی کی بھی پرواہ نہیں کرتے، جیسا کہ وہ کہتے ہیں:

ــــ جنونِ سجدہ کی معراج ہے یہی شاید　　کہ تیرے در کے سوا کوئی آستاں نہ رہا
ــــ چلو دیکھ آئیں جگر کا تماشا　　سنا ہے وہ کافر مسلمان ہوگا **(۳۱)**

اب انہیں ہر کہیں خدائے وحدہٗ کی محبّت کے آثار نظر آتے ہیں، اس وجہ سے اب وہ اللہ سے صرف ان کی محبت کا خریدار ہیں، اور اس کے لئے اگر زمانہ کے ساتھ مخالفت بھی کرنا پڑے، تو اس کے لئے بھی وہ تیار ہیں، وہ کہتے ہیں:

ــــ ہوگا تیری محفل میں کوئی اور بھی جلوہ　　مجھ کو تو محبت ہی محبت نظر آئی
ــــ کہاں کے مناظر، کہاں کے مظاہر　　تو خود اپنے نزدیک آتا چلا جا
قیودِ دو عالم سے آزاد ہوکر　　حدودِ محبت بڑھاتا چلاجا
زمانے کے ہمدوش و ہمراہ کبتک　　زمانے کو پیچھے ہٹاتا چلاجا **(۳۲)**

اب اتبّاعِ سنّتِ نبوی میں ڈاڑھی چھوڑے رکھنے میں بھی انہیں نہ کسی سے ڈر ہے، نہ کسی قسم کا تاّمل، نہ کسی قسم کی جھجھک، اب وہ اپنی کامیابی کے لئے اتبّاعِ سنّتِ نبیؐ کو کافی سمجھتے ہیں چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

ع　پابندِ شریعتِ نبیؐ ہوں

ــــ کچھ ہم کو نہیں کام جگر اور کسی سے　　کافی ہے بس، اک نسبتِ سلطانؐ مدینہ
ــــ میرے سر پر احسان ہے عشق کا　　مِرا رنگ ہی دوسرا ہو گیا
نمایاں ہیں چہرے سے آثارِ عشق　　جگر آج سے باخدا ہو گیا **(۳۳)**

جگر کی ذات اور کردار پر اب صرف اللہ ہی اللہ چھائے ہوئے ہیں، چنانچہ وہ کہتے ہیں:

ــــ میرا کمالِ شعر بس اتنا ہے اے جگر　　وہ مجھ پہ چھا گئے، میں زمانے پہ چھا گیا
ــــ رگوں میں بھر کے فروغِ جمالِ الااللہ　　نظر میں شعلگیِ لاالہٰ پیدا کر
ــــ کچھ نہ زمان و مکان، کچھ نہ سفید و سیاہ　　اشہد ان لا الہٰ، اشہد ان لا الہٰ **(۳۴)**

اب وہ اپنی پچھلی زندگی کے لئے شرمندہ ہیں، خدائے تعالیٰ کے نزدیک وہ تائب ہیں، وہ اپ نے قارئین کے پاس بھی معذرت خواہ ہیں اور اپنی پچھلی زندگی کی سیاہی اور برائیوں کو نہ اچھالنے کے لئے انہیں خدائے تعالیٰ کی ذاتِ پاک کا واسطہ دیتے ہیں، جگر اب اپنے قارئین کو ان کے آخری دور کے کلام کو اختیار کرنے کے لئے

مشورہ دیتے ہیں، جیسے وہ کہتے ہیں:

؎ تجھ کو خدا کا واسطہ، تو مری زندگی نہ دیکھ　　جس کی سحر بھی شام ہو، اسکی سیہ شبی نہ دیکھ جگر **(۳۵)**

حوالہ جات وحواشی

۱۔ بقولِ عرش ملسیانؔی: جگرؔ کی جائے پیدائش بنارس ہے۔ انور عارفؔ، ''جگرؔ اور اس کی شاعری''، مکتبۂ ماحول، ۹ بہادر شاہ مارکیٹ، بندر روڈ، کراچی، ۱۹۴۴ء، ص ۴۵۵

سیّد اعجاز حسین، ڈاکٹر، ''مختصر تاریخ ادب اردو''، اردو کتاب گھر، دہلی، ۱۹۶۴ء، ص ۵۸۔۱۶۰؛ ا

انور عارفؔ، ''جگرؔ اور اس کی شاعری''، ص ۶۳۴

۲۔ جگرؔ مرادآبادی، ''شعلۂ طور'' (قدیم)، سلطان بکڈپو، بیرون کالی کمان، حیدرآباد، ص ۱۵۱

۳۔ جگرؔ مرادآبادی، ''شعلۂ طور'' (قدیم)، ص ۳۵۰۔۳۵۱؛

انور عارفؔ، ''جگرؔ اور اس کی شاعری''، ص ۵۷۰

۴۔ دردِ محبت، عارف باللہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اخترؔ صاحب رح، کتب خانۂ مظہری، گلشن اقبال، کراچی، سن ندارد، ص ۴۰۸۔۴۱۲

۵۔ انور عارفؔ، ''جگرؔ اور اس کی شاعری''، ص ۶۵۱۔۶۵۲

۶۔ جگرؔ مرادآبادی، ''شعلۂ طور'' (قدیم)، ص ۲۲۰؛

انور عارفؔ، ''جگرؔ اور اس کی شاعری''، ص ۶۳۵۔۶۳۶

۷۔ جگرؔ مرادآبادی، ''آتشِ گل''، فیروز پرنٹنگ ورکس، لاہور، سن ندارد، ص ۱۹۱؛

انور عارفؔ، ''جگرؔ اور اس کی شاعری''، ص ۶۳۶۔۶۳۷

۸۔ جگرؔ مرادآبادی، ''آتشِ گل''، ص ۲۲۲

۹۔ جگرؔ مرادآبادی، ''شعلۂ طور'' (قدیم)، ص ۵۱، ۲۲۱۔۲۲۲؛

انور عارفؔ، ''جگرؔ اور اس کی شاعری''، ص ۵۹۵، ۶۳۸۔۶۳۹؛

جگرؔ مرادآبادی، ''شعلۂ طور'' (اصلاح شدہ و بترتیبِ نو)، ادارۂ فروغِ اردو، لاہور، سن ندارد، ص ۷

۱۰۔ جگرؔ مرادآبادی، ''شعلۂ طور'' (اصلاح شدہ و بترتیبِ نو)، ص ۴۹، ۲۵۵؛

انور عارفؔ، ''جگرؔ اور اس کی شاعری''، ص ۶۴۷؛　　جگرؔ مرادآبادی، ''شعلۂ طور'' (قدیم)، ص ۱۸۵

۱۱۔ جگرؔ مرادآبادی، ''آتش گل''، دیباچۂ (از آل احمد سرور)، فیروز پرنٹنگ ورکس، لاہور، سن ندارد، ص ۱۳۰۔۳۲

۱۲۔ جگرؔ مرادآبادی، ''شعلۂ طور'' (اصلاح شدہ و بترتیبِ نو)، ص ۲۷۹

۱۳۔ جگرؔ مرادآبادی، ''آتشِ گل''، ص ۲۲۲

۱۴۔ انور عارف، ''جگر اور اس کی شاعری''، ص ۴۵۳

۱۵۔ انور عارف، ''جگر اور اس کی شاعری''، ص ۴۹۵؛ جگر مراد آبادی، ''شعلۂ طور'' (اصلاح شدہ وبترتیبِ نو)، ص ۴۸، ۱۳۱

۱۶۔ اس سلسلے میں جگر نے ''مثنوی عرفانِ خودی المعروف بہ سُرورِ حقیقت'' کے عنوان سے ایک اردو نظم بھی لکھی ہے، اس کے مقطع کا آخری مصرع ہے: خاکِ درِ دولتِ غنی ہوں یہاں جگر نے شاہ صاحب کے ساتھ اپنی عقیدت کا اظہار کیا ہے۔ چنانچہ لفظِ ''غنی'' پر حاشیہ کھینچتے ہوئے لکھتے ہیں ''مرشدی وملجائی حضرت مولانا قاضی عبدالغنی منگلوری''۔ دوسری جگہ لفظِ منگلور پر حاشیہ کھینچتے ہیں اور لکھتے ہیں- ''منگلور ضلع سہارنپور آستانۂ حضرت مرشدی ومولائی قدس سرّہٗ''-

جگر مراد آبادی، ''شعلۂ طور'' (اصلاح شدہ وبترتیبِ نو)، ص ۳۲۳، ۳۳۹

۱۷۔ جگر مراد آبادی، ''شعلۂ طور'' (اصلاح شدہ وبترتیبِ نو)، ص ۲۲۳

۱۸۔ ایضاً ص ۱۶۱، ۲۶۵ ۱۹۔ جگر مراد آبادی، ''آتشِ گل''، ص ۹۶

۲۰۔ مواعظ دردِ محبت، عارف باللہ حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب، کتب خانۂ مظہری، گلشن اقبال، کراچی، س ن، ص ۴۰۹

۲۱۔ جگر مراد آبادی، ''شعلۂ طور'' (اصلاح شدہ وبترتیبِ نو)، ص ۳۳۹

۲۲۔ مواعظ دردِ محبت، عارف باللہ حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب، ص ۴۰۸-۴۱۲

۲۳۔ انور عارف، ''جگر اور اس کی شاعری''، ص ۴۵۳، ۴۷۷

۲۴۔ جگر مراد آبادی، ''شعلۂ طور'' (اصلاح شدہ وبترتیبِ نو)، ص ۲۷۲، ۲۷۱

۲۵۔ جگر مراد آبادی، ''شعلۂ طور''، ص ۳۳۴ ۲۶۔ ایضاً، حرفِ ناشر ص ۲

۲۷۔ وفا راشدی، ڈاکٹر، ''میرے بزرگ میرے ہمعصر''، مکتبۂ اشاعتِ اردو، کراچی، ۱۹۹۵ء، ص ۹۱

۲۸۔ انور عارف، ''جگر اور اس کی شاعری''، ص ۴۰۹، ۴۸۰؛ جگر مراد آبادی، ''آتشِ گل''، ص ۵۹، ۶۸؛

جگر مراد آبادی، ''شعلۂ طور'' (اصلاح شدہ وبترتیبِ نو)، ص ۱۵۲

۲۹۔ انور عارف، ''جگر اور اس کی شاعری''، ص ۴۹۹؛

یہ لفظ 'مجازی' ایک منکرِ خدا لکھنوی شاعر کا تخلّص ہے جو اتفاق سے جگر مرادآبادی کا دوست بھی تھا، اسی کے لئے جگر نے یہ شعر کہا تھا- شعلۂ طور (اصلاح شدہ وبترتیبِ نو) ص ۲۵۵

۳۰۔ جگر مراد آبادی، ''آتشِ گل''، ص ۹۴؛ جگر مراد آبادی، ''شعلۂ طور'' (اصلاح شدہ وبترتیبِ نو)، ص ۸۷

۳۱۔ جگر مراد آبادی، ''آتشِ گل''، ص ۵۸؛

جگر مراد آبادی، ''شعلۂ طور'' (اصلاح شدہ وبترتیبِ نو)، ص ۱۳۵

۳۲۔ جگر مراد آبادی، ''شعلۂ طور'' (اصلاح شدہ وبترتیبِ نو)، ص ۲۵۲، ۱۸۰

۳۳۔ ایضاً ص ۳۲۳، ۲۱۹، ۱۵

۳۴۔ جگر مراد آبادی، ''آتشِ گل''، ص ۵۶، ۷۰؛ جگر مراد آبادی، ''شعلۂ طور'' (اصلاح شدہ وبترتیبِ نو)، ص ۶۴

۳۵۔ جگر مراد آبادی، ''شعلۂ طور'' (اصلاح شدہ وبترتیبِ نو)، ص ۲۲۴